OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

سر سید احمد خان: ایک عہد ساز شخصیت
Sir Syed Ahmad Khan: As an Epoch-Making figure

Dr. Elizabeth Shad
Assistant Professor, Kinnaird College for Women, Lahore

Abstract

Sir Syed Ahmad Khan was a visionary who carved a space for rationalist thought, gave a new direction to education, and laid the parameters of modernist Urdu prose. He did not only evolve a new philosophy and pedagogy for public instruction and write remarkable discursive prose, but also affected a change in the attitude of people, especially of the Muslim community, towards social, cultural, and national identity. He was an iconoclast who promoted a scientific view of life and found space for pure rationalism as opposed to romantic sentimentality. As he also influenced poets and writers, he came to be acknowledged and valued as one of the major reformers of modern India.

Keywords: Sir Syed, Epoch-making, Figure

تمہید

برصغیر کی تاریخ میں سر سید احمد خان جیسی ہستی کو فراموش نہیں یا جا سکتا وہ ہمہ گیر خصوصیات کی حامل شخصیت تھے۔ وہ مسلمانوں کے سچے خیر خواہ اور ریفارمر تھے۔ وہ ایک ایسی شخصیت تھے جن کی زندگی کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کی فلاح، بہبود اور تنظیم تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اُن کے تشخص کی پہچان دلوائی۔ مسلمانوں میں شعور پیدا کرنے کے لیے تقریروں سے کام نہیں سنوارا بلکہ ملک و قوم کے لیے اپنی سماجی، سیاسی اور ادبی خدمات اور کاوشوں کے ذریعہ عملی جامہ پہنایا۔ اُن کی فکری کاوشوں کی بدولت پہلے خیالات بدلے اور پھر حالات بدلے۔ تاریخ میں قوم کے معماروں میں اس معمار کا نام سرفہرست ہے۔ جن کی دانشورانہ فکر نے سب سے پہلے اس بات کو محسوس کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے آزادی کے علاوہ کوئی حل نہیں۔ اس کی عملی تصویر دو قومی نظریہ ہے۔ اُن کی شخصیت کا ایک بنیادی وصف یہ بھی تھا کہ انہوں نے حالات سے سمجھوتا کرنے کے برعکس ایک حقیقی محب وطن ہونے کا ثبوت دیا اور بڑی دانشمندی اور حکمت عملی سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ انگریزوں اور ہندووں کے ذہنوں کو بھی تسخیر کیا۔ وہ انقلابی شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کی جہدِ مسلسل، لگن اور وطن سے محبت کے جذبے

CC BY

نے اُن سے سب کام کروائے۔ وہ پہلے سیاسی مفکر تھے جنہوں نے ثابت کیا کہ مسلمان غلامی کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اُنیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر کے حالات نے نیا رخ اختیار کیا؟ سیاسی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی عجیب طرح سے دوڑ رہی تھی۔ مغل سلاطین کے زوال سے سیاسی قوت و اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ بھی نہ رہا بلکہ سیاسی اقتدار مکمل طور پر انگریزوں کی تحویل میں گیا۔ برصغیر میں مغربی افکار و نظریات پروان چڑھنے لگے۔ ان تمام حالات میں بہت سے رہنماؤں نے اپنے اپنے طور پر برصغیر کے باشندوں کو غلامی کے جوئے میں جوتنے سے بچانے کے لیے ہر طرح کی سعی کی۔

ڈاکٹر انور سدید کا کہنا ہے

> "چنانچہ انیسویں صدی میں سید احمد بریلوی، سر سید احمد خان، دیانند سرسوتی اور راجہ موہن رائے، ویزلی اور ڈلہوزی وغیرہ ہندوستان میں فکر کی تین اہم قوتوں کی صورت میں اُبھرے اور ان سب نے ہندوستان کے منظر کو ایک الگ جہت اور مخصوص قومی مقاصد کے نقطہ ہائے نظر نے متاثر کرنے کی سعی کی۔ سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو متحرک کیا۔ دیانند سرسوتی نے قدیم آریائی سماج کے احیاء کی کوشش کی جبکہ راجہ رام موہن رائے اور سر سید احمد خان نے اپنی آنکھیں مستقبل کی طرف کھولیں، نئے نظریات، افکار اور علوم کو قبول کرنے کے لیے تصادم سے گریز اختیار کیا اور قوم کو نئی روشنی قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ ان میں سر سید احمد خان کی تحریک اس لیے اہم ہے کہ اس کا آغاز محکومی کا دائرہ مکمل ہو جانے کے بعد ہوا اس تحریک نے مسلمانوں کا جمود اور غلامی کا حصار توڑ کر مستقبل کی تعمیر کی ذمہ داری قبول کی۔ [1]

جنگ آزادی کے بعد کا دور

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند کے لیے طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ یہ وہ دور تھا کہ جب اُن کا جداگانہ تشخص داؤ پر لگ چکا تھا۔ برٹش گورنمنٹ مسلمانوں سے شدید بدگمان ہو چکی تھی۔ اُن کی انتقامی روح نے مسلمانوں کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا اور بغیر کسی انصاف کے سزاؤں کا پہاڑ لاد دیا۔ انگریزوں کی دشمنی کی نگاہ مسلمانوں کے وجود کو نگل رہی تھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی گذشتہ ساخت اور تشخص پامال ہو چکا تھا۔ سرکاری دفاتر مسلمانوں سے خالی، فوج میں بھرتی موقوف اور درباروں میں حاضری نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ نفرت کی آگ میں مسلمان جل کر راکھ ہو رہے تھے۔

سر سید بطور ایک رہنما شخصیت

ان تمام حالات میں مسلمانانِ ہند کے وجود اور تشخص کو پھر سے بحال کرنے اور اپنی عزت و آبرو کو مجروح ہونے سے بچانے کے لیے کسی مضبوط اور مستحکم شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس آگ میں کودنا نہایت مشکل امر تھا۔ اس کے لیے حب الوطنی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ بصیرت، مستقل مزاجی، دانشمندی کمال کی تندہی کی ضرورت درپیش تھی۔ یہ تمام اوصاف اس وقت کے رہنماؤں میں سے سر سید کی شخصیت میں مجتمع تھے۔ لیکن برصغیر کی حالت دیکھ کر پہلے پہل تو سر سید نے کنارہ کشی کرنی چاہی لیکن اُن کے اندر کے جذبہ حب الوطنی اور اسلام سے محبت کی تڑپ نے ان کو کسی اور طرف جانے نہ دیا اور آخر کار انہوں نے اپنی ملت کے لیے اپنی فکری کاوشوں کو تیز تر کر دیا اور یہ ٹھان لیا کہ آزادی حاصل کر کے رہیں گے۔

ڈاکٹر انور سدید کا کہنا ہے

> " "سر سید تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر پیدا ہوئے جب مسلمان زوال کی انتہائی پستی تک پہنچ گئے تھے سر سید نے نہ صرف اس زوال کو روکا بلکہ مسلمانوں کو اجتماعی اعتماد عطا کر کے انہیں مستقبل پر اثر انداز

ہونے کا سبق دیا۔ علی گڑھ تحریک ایک اجتماعی تحریک تھی اور اس کے کارناموں کا جائزہ لینے کے لیے افراد کے کارناموں پر جزوی نظر ڈالنا مستحسن نہیں، اجتماعی سطح پر علی گڑھ تحریک نے نہ صرف مستحکم روایات پیدا کیں، بلکہ ایک طرف حیات اور انداز فکر کو بھی جنم دیا اور معاشرے، سیاست اور ادب کے بہت سے زاویوں کو جدید فکر و انداز میں متاثر کیا۔[2]

جدید علوم و فنوں اور انگریزوں سے بہتر تعلقات

در حقیقت وہ خود بھی اس بات کے قائل ہو چکے تھے کہ جدید علوم و فنوں اور انگریزوں سے بہتر تعلقات کے سوا مسلمانوں کی بقاء اور ترقی سراسر ناممکن ہے۔ اسی لیے 1866ء میں انہوں نے سائنٹفک سوسائٹی کا قیام کیا تا کہ مغربی علوم اُردو میں پڑھے جا سکیں۔ مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لیے انہوں نے 1866ء میں ہی ماہوار رسالہ "علی گڑھ انسٹیٹیوٹ" جاری کیا۔ انگریزی تہذیب انہوں نے اپنے دور مطالعہ میں دیکھی۔ انگلستان میں قیام کے دوران آکسفورڈ اور کیمرج یونیورسٹیوں میں جدید تعلیمی نظام کی تحقیق کی۔ اور واپس آکر انہوں نے علی گڑھ میں سکول اور پھر ایم اے او کالج کی بنیاد رکھی۔ علی گڑھ تحریک ایک مقصدی اور تحقیقی تحریک تھی جس کے ذریعے انہوں نے قومی بیداری کا کام کیا اور ملک کی معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کو بھی دور کیا۔ سر سید ایک دور اندیش انسان تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمان اگر ناخواندہ رہے تو ہندو اُن سے بہت آگے نکل جائیں گے۔ پھر عدلیہ اور انتظامیہ، ہر جگہ ہندوؤں کی آواز آئے گی۔ مسلمانوں کی اقتصادی اور عملی میدان میں ترقی ہی پوری مسلم اُمت کی بہتری ہے۔ اسی لیے انہوں نے علی گڑھ تحریک میں سب سے پہلے بنیادی مقصد تعلیم کو بنایا ہے۔

تحریک آزادی میں پہلا قدم

تحریک آزادی میں اُن کا پہلا قدم مسلمانوں کی مذہبی، اقتصادی اور عملی میدان میں اُن کو مضبوط کرنا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ جب تک وہ اعلیٰ تعلیم کی طرف نہیں آئیں گے ترقی نہیں کر سکیں گے۔ دوسری طرف انگریزوں کی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے سے انہوں نے تحریری صورت میں کام کیا اور رسالہ "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر ثابت کیا کہ مسلمان شکست کے ذمہ دار نہیں۔ خلوص دل اور محنت شاقہ کی وجہ سے وہ ان دونوں کاموں میں کامیاب ہوئے۔ ایک طرف مسلمانوں نے تعلیم کے میدان میں اپنے آپ کو ترقی دی اور دوسری طرف انگریزوں کے دل نرم ہونے لگے۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان اس خلاء کو ختم کرنا، اُن کا انقلابی کارنامہ ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی "**حیات جاوید**" میں لکھتے ہیں

> "رسالہ اسباب بغاوت ہند جس کا لکھنا ایک حیثیت سے ملک اور قوم کی بے نظیر خدمت اور دوسری حیثیت سے تاج برطانیہ کی حقیقی خیر خواہی کا کام تھا۔ سر سید کی اُن جلیل القدر خدمات میں سے ہے جن سے وہ ارکان سلطنت میں شمار کیے جانے کے مستحق ہوئے ہیں۔ وہ اپنے ایک خط میں جو ولایت سے مولوی سید مہدی علی خان کو بھیجا ہے لکھتے ہیں کہ "میں انڈیا کونسل میں صاحب سیکرٹری وزیر ہند کے پاس گیا تھا، انہوں نے مجھ کو کونسل کے کاغذات میں میری کتاب "اسباب بغاوت ہند" مع تمام و کمال انگریزی ترجمہ کے دکھلائی، اسے دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا جو کچھ راہیں اس کی بدولت قرار پائیں اُن کا بیان بے فائدہ ہے۔ اہل ہند ناقدر دان دوست ہیں اور اپنے خیر خواہ کے دشمن ہیں، مگر میں خوش ہوں کہ میرے ہم وطنوں کی بھلائی ہوئی۔"[3]

رسالہ "تہذیب نسواں"

اسی طرح اُن کا رسالہ "تہذیب نسواں" اہمیت کا حامل ہے۔ آزادی کے حصول کے لیے قومیت کے جذبے کا فروغ ایک ضروری عنصر تھا۔ سرسید نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے مسلمانوں میں قومیت کے جذبے کو اُبھارا، قومیت اُن کے نزدیک در حقیقت اسلامی اخوت کا نام تھا۔ سرسید نے مذہبی فرقوں، تعصبات اور اختلافات کو دور کرنے کی کوشش، اور اس جنگ کے لیے انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیے اُن میں سے ایک نام "رسالہ تہذیب واخلاق" بھی تھا۔ جس کے بارے میں خود سرسید کا کہنا ہے۔

> "قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصل مقصد قوم کو دینی اور دینوی جہالت کا جتانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مُردوں کو اُٹھانا اور بلکہ ٹھہرے ہوئے پانی میں تحریک بیدار کرنا تھا۔[4]

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید خود برصغیر میں ایک ایسے پتھر کی طرح ثابت ہوئے جس سے ٹھہرے ہوئے پانی میں تحریک پیدا کر کے مسلمانوں کو ہندوستان کی اصل تصویر دکھائی۔ پروفیسر ٹامس آرنلڈ سرسید کی عظمت اور برصغیر کے لیے اُن کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ""حقیقی عظمت کا اگر کوئی انسان مستحق ہو سکتا ہے تو یقیناً "سرسید احمد خان اس کے مستحق تھے۔ تاریخ سے معلوم ہو گا کہ دنیا میں بڑے آدمی اکثر گزرے ہیں لیکن ان میں سے بہت کم ایسے نکلیں گے جن میں یہ حیرت انگیز مہارتیں اور اوصاف مجتمع ہوں، وہ ایک ہی وقت میں اسلام کا محقق، علم کا حامی، قوم کا سوشل ریفارمر، سیاستدان، مصنف اور مضمون نگار تھا۔ اس کا اثر اس عالم کا نہ تھا جو گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی تحریروں سے لوگوں کے دل اکسائے بلکہ وہ اولین رہنماؤں کے سامنے لوگوں میں لوگوں کا رہبر بن کر اس لیے آیا کہ جس بات کو سچ اور صحیح سمجھے اگر اس کی دنیا مخالف ہو تو ساری دنیا سے لڑنے کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہے۔
>
> ہندوستان میں ہم کو ایسے شخص کی مثال جیسا کہ وہ تھا کیسے مل سکتا ہے کہ نہ جاہ و مرتبہ تھا نہ دولت تھی، باوجود اس کے ہندوستان میں مسلمانوں کی قوم کا سردار بن کر ظاہر ہوا یہ وہ رتبہ ہے جو اس سے پہلے کسی شخص کو بغیر تلوار کے زور کے حاصل نہیں ہوا۔"[5]

خلاصۂ بحث

سرسید کی انقلابی اور ہمہ گیر شخصیت کی خصوصیات اور کارناموں کو انہوں نے مسلمانوں کی آزادی کے لیے سرانجام دیئے ایک مضمون یا چند صفحات میں قلمبند کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی اُن کی زندگی کا مشن تھا اور وہ اس مشن میں کامیاب رہے۔

References

[1] Dr. Anwar Sa'eed, *Urdu Adab kī Taḥreekey* (Dehlī: Kitābī Duniya, 2004), 260.
[2] Sa'eed, *Urdu Adab kī Taḥreekey*, 335.
[3] Mowlāna Alṭāf Hussain Ḥālī, Ḥayāt-e-Jāved (Lahore: Dost Associates Nāshrān, 2003), 192.
[4] Dr. Saleem Akhtar, Urdu Adab kī Mukhtasir treen Tāreekh (Lahore: Sang-Mīl Publications, 2009), 330.
[5] Akhtar, Urdu Adab kī Mukhtasir treen Tāreekh, 334.